

کے گھر پر پڑا ہوا ہے۔ اُسے ہمیشہ یہی دھن سوار رہتی ہے کہ روپوں کا خزانہ کیسے ہاتھ آجائے
 طرح طرح کے منصوبے باندھتا ہے، طرح طرح کی تدبیریں سوچتا ہے لیکن گھر سے باہر نہیں
 نکلتا۔ ہاں جیب خوب اندھیرا ہو جاتا ہے تو وہ ایک بار محلہ کے کتب خانہ میں غرض
 جاتا ہے، اپنے شہر اور صوبے کی خبروں کے لئے اس کی طبیعت بے قرار رہتی ہے۔
 اس نے ذرا نوٹس دیکھا جو دیا ناتھ نے اخباروں میں چھپوایا تھا، لیکن اسے اس پر اعتبار نہ
 آیا۔ کون جانے پولیس نے اُسے گرفتار کرنے کے لئے یہ جال پھیلایا ہو۔ روپے کس نے پکائے
 ہونگے غیر ممکن۔

ایک دن اسی اخبار میں رمانا ناتھ کو جالیا کا ایک خط چھپا ہوا ملا۔ جالیا نے دردناک
 اور عاجزانہ الفاظ میں اس سے گھر لوٹ آنے کی استدعا کی تھی۔ اس نے لکھا تھا تمہارے
 ذمہ کسی کی رقم نہیں آتی۔ تم کسی طرح کا اندیشہ مت کرو۔ میں نے پائی پائی بیباق کر دی ہے
 رمانا کا دل لچا اٹھا۔ لیکن معاذ خیال آیا یہ بھی پولیس کی شرارت ہوگی۔ اس کا کیا ثبوت
 ہے کہ جالیا ہی نے یہ خط لکھا۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ روپے گھر والوں نے ادا ہی کر دیے
 ہونگے تو کیا اس حالت میں بھی وہ گھر جاسکتا ہے، سارے شہر میں اس کی بدنامی پورے
 ہوگی۔ پولیس میں اطلاع ہو چکی ہوگی۔ اسے نہ دکھنا شکل ہو جائے گا۔ اس نے طے کیا میں نہیں
 جاسکتا۔ جب تک کم سے کم پانچ ہزار روپے ہاتھ نہ آجائیں گے۔ وہ گھر جانے کا نام نہ لے
 گا۔ اور اگر اب تک روپے ادا نہ ہوئے اور پولیس اس کی تلاش میں ہے تو وہ کبھی نہیں
 گھر جاسکتا۔

دی دین کے گھر میں دو کوٹھریاں تھیں اور سامنے ایک برآمدہ تھا، برآمدہ میں
 دکان تھی ایک کوٹھری میں کھانا پکتا تھا۔ دوسری کوٹھری میں برتن بھانڈے رکھے ہوئے
 تھے (دوسرے ایک کوٹھری تھی اور چھوٹی سی کھلی ہوئی چھت، رمانا اسی بالانخانہ پر رہتا تھا۔
 دی دین اور اس کی بڑھیکے رہنے اور بیٹھنے اور سونے کا خاص مقام نہ تھا۔ رات کو دکان

بڑھ جانے کے بعد وہی برکتہ خواب گاہ کا کام دیتا تھا، دونوں وہیں پڑے رہتے تھے۔ دیہی کا کام چلم پینا اور سارے دن بیکیں مارنا تھا۔ دوکان کا سارا کام بڑھیا کرتی تھی، مٹھی جا کا اسٹیشن سے مالی بھیجنا یا لانا یہ بار بھی اسی کے سر تھا۔ دیہی دین گاہوں کو بیچتا تھا تو بیٹھا بیٹھا رامائن طوطا مینا، راس لیلایا ماما مریم کی کہانی پڑھا کرتا تھا، جب سے رما اگیدہ بڑھے کو انگریزی پڑھنے کا شوق چرایا ہے، سویرے ہی پرائمر کے کرائے بیٹھا ہے اور فو دم بجے تک حروف پڑھتا رہتا ہے، بیچ بیچ میں لطفی بھی سنا تا جاتا ہے جن کا ان کے پاس بہت بڑا ذخیرہ ہے، مگر جگو بڑھیا کو رما کا آسن جمانا اچھا نہیں لگتا، وہ اسے اپنا فیم تو بنائے ہوئے ہے، حساب کتاب اسی سے لکھواتی ہے، لیکن اتنے ذرا سے کام کے لئے وہ اتنا بڑا بھار نہیں اٹھانا چاہتی۔ یہ کام تو وہ گاہوں سے لہجی کر لیا کرتی تھی۔ اس لئے رما کا رہنا اسے کھلتا تھا۔ لیکن رما اتنا منکر مزاج اتنا خلیق اور اتنا فرما بند ہے کہ وہ علانیہ کچھ کہہ نہیں سکتا، ہاں دوسروں پر رکھ کر اشارہ کرنا، اسے سنا سنا دل کا بخار نکالتی رہتی ہے، رملے اپنے کو برہمن کہہ رکھا ہے اور مذہبیت کا سوانگ رچے ہوئے ہے۔ برہمن اور دہرما تباہن کر وہ ان دونوں کا مخدوم بن سکتا ہے۔ بڑھیا کے مزاج سے وہ واقف ہے لیکن کرے کیا۔ بے حیائی کرنے پر مجبور ہے حالات نے اس کی خود داری کا خاتمہ کر دیا ہے۔

ایک دن رما ناتھ کتب خانہ میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا اسے رتن نظر پڑا رتن کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کی تلاش کر رہی ہے، رما کا سینہ دھکا دھک کرنے لگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رتن کی نگاہ اس پر پڑ جائے۔ یہ یہاں نہ جانے کہا آپہنچی۔ وہ رتن کی آنکھ بھائی کر سر کو جھکا کر کمرے سے نکل گیا۔ اور پیچھے کے اندھیرے برآمدے میں جہاں پرانے ٹوٹے پھوٹے صندوق اور کرسیاں پڑی تھیں جھپٹا کھڑا رہا۔ رتن سے ملنے اور گھر کے حالات پوچھنے کے لئے اس کا دل تڑپ رہا تھا لیکن مارے

رم کے سامنے نہ آ سکتا تھا۔ اس سے پوچھنے کی کشتی ہی باقی تھیں۔ خاص کر وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کی نسبت جالید کے کیا خیالات ہیں۔ اس سے ناراض تو نہیں ہے۔ اُسے مکار و ردغ باز تو نہیں سمجھتی۔ روتی تو نہیں ہے۔ دہلی تو نہیں ہو گئی ہے۔ حملہ کے اور لوگوں کے کیا خیالات ہیں۔ کیا گھر کی تلاشی ہوئی ہے مقدمہ چلا۔ ایسی ہی ہزاروں باتیں اس کے ذہن میں تھیں۔ مگر منہ کیسے دکھائے۔ وہ جھانک جھانک کر دیکھتا رہا جب موٹر چلی گئی تب اس کے دل کو سکون ہوا۔ اس دن سے ایک ہفتہ تک وہ کتب خانہ نہ گیا گھر سے نکلا تک نہیں۔

کبھی پڑے پڑے رمانا تھا کاجی ایسا گھبراتا تھا کہ تھانہ میں جا کر سلی روکداد کہہ نائے جو کچھ ہونا ہے ہو جائے۔ دو چار سال کی قید اس دائمی حبس سے تو اچھی ہے پھر وہ از سر نو زندگی شروع کرے گا اس کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہو گا لیکن ایک ہی لمحے میں ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔

اس طرح دو مہینے اور گزر گئے۔ پوس کا مہینہ آپہنچا۔ رما کے پاس جاؤں گا کوئی کپڑا نہ تھا۔ گھر سے تو کوئی چیز لایا ہی نہ تھا۔ یہاں بھی کوئی چیز نہ بنوا سکا اب تک تو اس نے دھوٹی اور ٹھکڑی طرح راتیں کاٹیں۔ مگر پوس کے کڑکڑاتے جاڑے لحاف یا کپڑے کے بغیر کیسے کٹے۔ وہ بیچارہ رات بھر گھڑی بنا رہتا۔ جب بہت سردی لگتی تو بچیاں اون اور لیتا۔ دیہی دین نے اُسے ایک پرانی دری پھلانے کو دیدی تھی۔ اس کے گھر میں شاید یہی سب سے اچھا بستر تھا۔ اس طبقہ کے آدمی چاہے دس ہزار کے گئے ہیں لیکن رشاہی سیاہ میں دس ہزار خرچ کر دیں۔ لیکن کچھاؤں کو ڈر ہی رکھیں گے۔ اس سرطی ہوئی دری سے جاڑا بھلا کیا جاتا۔ مگر کچھ نہ ہونے سے اچھا ہی تھا۔ رما مارے شرم کے دیہی دین سے کچھ کہہ نہ سکتا تھا اور دیہی دین بھی شاید اتنا صرف کیشن نہ برداشت کرنا چاہتا تھا۔ یا ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ ضرورت آئی ہی نہ ہو۔ جب دن ڈھلنے لگا تو رما رات کی تکلیف

کا خیال کر کے نیم جان ہو جاتا تھا۔ گویا کافی بلا دوڑی چلی آتی ہو۔ رات کو بار بار کھڑکی کھول کر دیکھتا کہ سویرا ہونے میں کتنی دیر ہے۔

ایک دن شام کو وہ کتب خانہ جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا ایک بڑی کوٹھی کے سامنے ہزاروں کنگلے جمع ہیں۔ مجمع کے اندر گھس کر دیکھا تو معلوم ہوا کوئی سیٹھ جی کمبلوں کا دان کر رہے ہیں۔ کمبل بہت گھٹیا تھے پتلے اور ہلکے مگر خلقت ایک پرایک ٹوٹی پٹی تھی، رما کے جی میں آیا کہ ایک کمبل لے لوں یہاں مجھے کون جانتا ہے۔ اگر کوئی پہچان بھی لے تو کیا حرج اگر غریب برہمن خیرات کا مستحق نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک ہی لمحہ میں اس کی غیرت بیدار ہو اٹھی۔ کچھ دیر وہاں کھڑا تاکتا رہا، پھر آگے بڑھ گیا۔ اس کے ماتھے پر تلک دیکھ کر منیم نے سمجھ لیا یہ برہمن ہے اسے سارے کنگلوں میں خال خال ہی برہمن تھے برہمنوں کو خیرات دینے کا ثواب کچھ اور ہی ہے، منیم دل میں خوش تھا کہ ایک برہمن دیتا دکھائی تو دیئے۔ اس لئے جب اس نے رما کو جاتے دیکھا تو بولا۔ پڑت جی کہاں چلے گئے کمبل تو لیتے جا بیئے۔

رما پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔ مجھے ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر پھر وہ بڑھا۔ منیم جی نے سمجھا شاید کمبل گھٹیا دیکھ کر دیتا جی روٹھے جا رہے ہیں ایسے غیرت مند دیتا اسے اپنی زندگی میں شاید کبھی ملے ہی نہ تھے۔ کوئی دوسرا برہمن ہوتا تو دو چار چکنی پیڑی باتیں کرتا اور کوئی اچھا سا کمبل مانگتا۔ یہ پڑت جی بغیر کچھ کہے سننے کی شان سے چلے جا رہے ہیں تو ضرور کوئی مہانتا ہونگے۔ اس نے لپک کر ماکا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

آئیے تو ہمارا ج آپ کے لئے چوکھا کمبل رکھا ہے یہ تو کنگلوں کے لئے ہے رما نے دیکھا کہ بغیر مانگے ایک چیز مل رہی ہے بلکہ زبردستی گلے لگائی جا رہی ہے تو وہ دو ہزار بار نہیں نہیں کہے منیم کے ساتھ اندر چلا گیا۔ منیم نے اسے کوٹھی میں لے جا کر تخت

پر بٹھا دیا اور ایک بھاری دبیز کبل ان کی نذر کیا۔ رما کی بے نیازی کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے پانچ روپے دیکھنا کے دینا چاہا۔ مگر رمانے اُسے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ کبل لے کر ہی اسکا خاندانی غرور مجروح ہو چکا تھا۔ دیکھنا کے لئے ہاتھ پھیلا نا اس کے لئے غیر ممکن ہو گیا۔

منیم نے حیرت سے کہا۔ آپ دیکھنا نہ لیں گے تو سیٹھ جی کو بڑا رنج ہو گا۔
رمانے خود دارانہ انداز سے کہا۔ آپ کی خدمت سے میں نے کبل لے لیا۔ لیکن دیکھنا نہیں لے سکتا۔ مجھے روپے کی ضرورت نہیں۔ جس بابو جی کے گھر ٹھہرا ہوا ہوں وہ مجھے بھوجن دیتے ہیں اور مجھے لے کر کیا کرنا ہے۔

منیم۔ سیٹھ جی مانیں گے نہیں۔
رما۔ آپ میری طرف سے کہہ دیجئے گا۔

منیم۔ آپ کے تیاگ کا دھنیہ ہے۔ ایسے ہی برہمنوں سے دھرم کی مریدانی ہوئی ہے کچھ دیر اور بیٹھے سیٹھ جی آتے ہی ہونگے۔ آپ کے درشنوں سے بہت پرسن ہونگے۔ برہمنوں کے برم بھگت ہیں ترکال زندھیا کرتے ہیں۔ مہاراج تین بجے رات کو گنگا تٹ پر پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے آکر لوچن پر بیٹھ جاتے ہیں۔ دس بجے بھگوان کا بھوک لگاتے ہیں۔ دوپہر کو بھوجن پاتے ہیں۔ تین چار بجے زندھیا کرنے چلے جاتے ہیں۔ آپ کا استھان کہاں ہے۔

رمانے پریاگ نہ بتلا کر کاشی بتلایا۔ اس پر منیم جی کا اصرار اور بھی بڑھا لیکن رما کو یہ خوف ہو رہا تھا کہ کہیں سیٹھ جی نے کوئی مذہبی بحث چھیڑ دی تو ساری قلعی کھل جل کے گی۔ کسی دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے گلا چھڑایا۔

نوبے وہ کتب خانے سے لوٹا تو ڈر رہا تھا کہ کہیں دیی دین نے پوچھا کہ کبل کہاں سے ملا تو کیا جواب دے گا۔ کوئی بہانہ ضروری تھا اس نے سوچا کہہ دے گا

ایک پہچان والے کی دکان سے ادھا لایا ہوں۔
 دیوی دین نے مکمل دیکھتے ہی پوچھا۔ سیٹھ کرڈری مل کے یہاں پہنچ گئے کیا مہاراج
 رمانے پوچھا کون سیٹھ کرڈری مل۔
 دیوی۔ ارے وہی جس کی لال کوٹھی ہے۔
 رما کوئی بہانہ نہ کر سکا۔ بولا۔ ہاں نیم جی نے گلے لگا دیا۔ سیٹھ جی بڑے دھرماتما
 آدمی ہیں۔

دیوی دین نے سکرا کر کہا، بڑے دھرماتما ہیں، انہی کے تھامے تو دھرتی تھتی ہوئی
 ہے۔ نہیں اب تک مٹ گئی ہوئی۔

رما۔ کام تو دھرماتماؤں کا کرتے ہیں۔ من کا حال ایشور جانے جو سارے دن
 پوجا پاٹ میں لگا رہے اسے دھرماتما نہیں تو اور کیا کہا جائے۔

دیوی۔ اسے پانی کہنا چاہیئے، مہا پانی۔ دیا تو کسی کے پیچھے پھٹکنے بھی نہیں پاتی
 مظلوموں کے ساتھ جتنی کڑائی اس کے دل میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی۔ آدمیوں کو
 ہنڑوں سے بڑوتا ہے ہنڑوں سے چڑبی ملا لگھی بھیکر اس نے لاگوں کمائے۔ کوئی نوکر
 ایک منٹ کی بھی دیر کرے تو اس کی مجبوری کاٹ لیتا ہے۔ مگر سال میں دو چار ہزار
 دان نہ کرے تو پاپ کا دھن بچے کیسے۔ میں نے تو جتنے بیماری دیکھے سب کو پتھر ہی
 پایا، پتھر پوجتے پوجتے ان کے دل بھی پتھر ہو جاتے ہیں، آدمی کچھ نہ کرے من میں دیا
 بنائے رکھے یہی سودھرم کا ایک دھرم ہے۔

دن کی رکھی ہوئی روٹیاں کھا کر حجب رما مکمل اوڑھ کر لیٹا تو اس کا ضمیر اس پر
 ملامت کرنے لگا۔ رشوت میں اس نے ہزاروں روپے مارے تھے مگر کبھی ایک لمحہ کے
 لئے بھی اسے باطنی خلش نہ ہوئی تھی۔ رشوت عقل سے معیاری سے، رعب سے طی
 ہے۔ دان نکمے پست ہمت اور رنگے بیاردوں کا سہارا ہے، وہ سوچ رہا تھا میں

اتنا ذلیل ہو گیا ہوں کہ کھانے اور کپڑوں کے لئے مجھے خیرات لینا پڑتا ہے، وہ دیوی دین کے گھر دو مہینے سے بڑا تھا مگر دیوی دین اسے محتاج نہیں مہمان سمجھتا تھا، رمل کے دل میں ایسا ہیجان ہوا کہ اسی وقت تھانے میں جا کر اپنی سرگزشت کہہ سنا کرے۔ یہی تو ہو گا کہ دو تین سال کی سزا ہو جائے گی پھر تو دل میں یہ خلش ہو گی کہیں ڈوب کر مر جائے اس طرح زندہ رہنے سے فائدہ ہی کیا۔ نہ گھر کا ہوں نہ گھاٹ کا۔ دوسروں کی پرورش تو کیا کروں گا اپنے ہی لئے دوسروں کا محتاج ہوں۔ رمانے فہیلہ کیا کل وہ کام کی تلاش میں نکلے گا جو کچھ ہونا ہے ہو۔

(۲۶)

ابھی رمانہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ دیوی دین پرانے کو اسپینچا اور بولا۔ بھیا یہ تمہاری انگریزی بڑی بکٹ ہے۔ ایس۔ آئی۔ آر سر ہوتا ہے تو پی۔ آئی۔ ٹی پٹ کیوں ہو جاتا ہے۔ بی۔ ریوٹی ٹٹ ہوتا ہے۔ تو پی۔ ریوٹی پٹ کیوں ہوتا ہے۔ رہتیں بھی بڑی کٹھن لگتی ہو گی۔

رمانے مسکرا کر کہا۔ پہلے تو کٹھن لگتی تھی مگر اب تو آسان معلوم ہوتی ہے۔
دیوی دین جس دن پرانے ختم ہو گی مہا بیرجی کو سوا سیر لڑ چڑھاؤں گا۔ پرانے کا مطلب ہے پرانی استری مر جائے۔ میں کہتا ہوں ہماری مرے۔ پرانی کے مرنے سے ہمیں کیا سکھ۔ تمہارے بال بچے تو ہیں بھیا۔
رمانے اس انداز سے کہا۔ گو یا ہیں۔ لیکن نہ ہونے کے برابر ہیں وہاں ہیں تو۔

دیوی کوئی چٹھی چپاتی آئی تھی۔
رمانہ۔

دیہی اور تم نے لکھی۔ ارے تین مہینہ سے کوئی چٹھی ہی نہیں بھیجی۔ گھبراتے نہ ہوں گے لوگ۔

رمار جب تک یہاں کوئی صورت نہ پیدا ہو جائے کیا خط لکھوں۔

دیہی۔ ارے بھلے آدمی لکھ دو۔ میں یہاں خیریت سے ہوں۔ گھر سے بھاگ آئے ہو۔ ای لوگوں کو کتنی جتنا ہو رہی ہوگی۔ ماں باپ تو ہیں نا۔
رمار۔ ہاں میں تو۔

دیہی دین۔ تو بھیا آج ہی چٹھی ڈال دو۔ میری بات مانو۔

رمانے اب تک اپنی اصلیت کو چھپایا تھا۔ اُسے کئی بار خواہش ہوئی کہ دیہی دین سے سارا حال کہہ دے۔ مگر بات ہونٹوں تک آکر رک جاتی تھی۔ وہ دیہی دین کے منہ سے اس کا فیصلہ سننا چاہتا تھا۔ وہ جانتا چاہتا تھا کہ وہ کیا صلاح دیتا ہے اس وقت دیہی دین کی ہمدردی نے اسے مغلوب کر دیا بولا۔ میں گھر سے بھاگ آیا ہوں۔ دیہی دین نے سوچیں میں مسکرا کر کہا۔ میں جانتا ہوں۔ گھر والی سے ٹھن گئی ہوگی وہ کہتی ہوگی۔ میں الگ رہوں گی تم کہتے ہو گے میں ماں باپ سے الگ نہ رہوں گا۔ یا گہنوں کے لئے ضد کرتی ہوگی۔ کیوں؟

رمانے شرماتے ہوئے کہا۔ کچھ ایسی ہی بات تھی۔ دادا۔ وہ تو گہنوں کے لئے ضد نہ کرتی تھیں۔ لیکن پاجاتی تھیں تو خوش ہوتی تھیں اور میں محبت کے نشہ میں آگیا بیچھا کچھ نہ سوچتا تھا۔

دیہی دین کے منہ سے گویا آپ ہی آپ نکل گیا۔ سرکاری رقم تو نہیں اڑادی۔ رما کا سینہ دھک سے ہو گیا۔ وہ سرکاری رقم کا معاملہ اس سے چھپانا چاہتا تھا۔ دیہی دین کے اس سوال نے گویا اس کی سوتی ہوئی فوج پر چھاپہ مارا۔ اس کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ یکایک کچھ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس کا جواب کیا دوں۔

دیہی دین اس کے بستر سے تار گیا کہ اس نے کوئی دل آزار بات کہہ دی رزخم پر مرہم رکھتے ہوئے بولا۔ دل کی لگن بڑی بے ڈھب ہوتی ہے، بھیا تم تو ابھی لڑکے ہو۔ غبن کے ہتھاروں نگہ دے ہر سال ہوتے ہیں۔ تحقیقات کی جائے تو ایک ہی بات نکلے گی۔ گہنا۔ دس۔ بیس وارداتیں تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ یہ روگ ہی ایسا ہے۔ عورت منہ سے تو یہی کہتی جاتی ہے کہ یہ کیوں لائے۔ یہ کیوں لائے۔ روپے کہاں سے آئیں گے۔ دل میں پھونی نہیں سماتی۔ یہیں ایک ڈاک بالورہتے تھے۔ بیچارے نے پھری سے گلا کاٹ لیا۔ ایک دوسرے میاں صاحب کو جانتا ہوں جن کو پانچ سال کی سزا ہو گئی۔ جیل میں مر گئے۔ ایک تیسرے پنڈت جی کو جانتا ہوں جنہوں نے اچیم کھا کر جان دے دی۔ بڑا روگ ہے دوسروں کو کیا کہوں۔ میں ہی تین سال کی سزا کاٹ چکا ہوں۔ جوانی کی بات ہے، جب اس بڑھیا پر جو بن تھا نا کتی تھی تو جیسے کلیجہ پر تیر چلا دیتی تھی۔ میں ڈاکیہ تھا منی آرڈر تکم کیا کرتا تھا۔ یہ کالوں کے جھوک کے لئے جان کھا رہی تھی کہتی تھی سونے ہی کے لوں گی۔ کچھ پر توشہ چھایا ہوا تھا اپنی آمدنی کی ڈینگیں مارتا رہتا تھا۔ کبھی بھولوں کی ہارلاتا۔ کبھی مٹھائی۔ کبھی عطر بھیل۔ سہر کا ملک تھا۔ منی آرڈر بہت آتے تھے۔ ایک دن ایک منی آرڈر پر میں نے جھوٹے دستک کر کے روپے اڑائے۔ کل تیس روپے تھے۔ جھوک لاکر دیئے اتنی کمس ہوئی کہ کچھ نہ پوچھو۔ لیکن ایک ہی مہینہ میں چوری پکڑ لی گئی۔ تین سال کی سزا ہو گئی۔ سجا کاٹ کر نکلا تو یہاں بھاگ آیا۔ پھر کبھی گھر نہیں گیا۔ ہاں گھر چھٹی بھیج دی۔ بڑھیا کھرباتے ہی چلی آئی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر کہنوں سے اس کا پیٹ نہیں بھرا۔ جب دیکھو کچھ نہ کچھ مٹتا ہی رہتا ہے۔ ایک بیج بنوائی۔ کل اسی کو توڑ کر دوسری بیج بنوائی۔ میری تو ایک صلاح ہے۔ گھر ایک چھٹی بھیج دو۔ لیکن نہیں پولیس تمہاری ٹوہ میں ہو گی۔ کہیں سراغ مل گیا تو کام بگڑ جائے گا۔ کہو تو میں کسی سے ایک چھٹی لکھا کر بھیج دوں۔

رمانے سر مل کر کہا۔ نہیں دادا غضب ہو جائیگا۔ پولیس سے زیادہ تو مجھے گھر والوں

کا خوف ہے۔

دیہی۔ ڈر پولیس کا ہے کہ گھر والوں کا۔ گھر والے سن کر کھٹس ہوں گے۔ پولیس والے سجا کر ادیں گے۔

رما۔ میں سزا سے بالکل نہیں ڈرتا۔ تم سے کہا نہیں ایک دن مجھے کتب خانہ میں جان پہچان کی ایک عورت نظر پڑی۔ ہمارے گھر بہت آتی جاتی تھی۔ ایک بڑے وکیل کی بیوی ہے اسے دیکھتے ہی میری نانی مر گئی۔ ایسا سٹ پٹا یا کہ اس کی طرف تانکنے کی ہمت نہ پڑی۔ اگر اس وقت اس سے دو چار باتیں کر لیتا تو گھر کی ساری حالت معلوم ہو جاتی۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کرتی۔ میرے گھر میں بھی یقین ہے کہ وہ اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کرتی۔ میرے گھر میں بھی کسی سے نہ کہتی۔ لیکن میری ہمت نہ پڑی۔

دیہی۔ تو پھر اسی کو کیوں نہیں ایک چھٹی لکھتے۔

رما۔ چھٹی تو مجھ سے نہ لکھی جائے گی۔

دیہی۔ کب تک چھپے بیٹھے رہو گے۔

رما۔ دیکھا چلے بیٹے۔

دیہی۔ پولیس تو تمہاری ٹوہ میں ہو گی۔

رما۔ یہی تو خوف ہے۔

دیہی دین کو تشویش پیدا ہو گئی۔ رمانے سمجھا شاید پولیس کے خوف نے اسے

فکر مند کر رکھا ہے۔ بولا۔ ہاں تم دیکھتے ہو دن کو میں بہت کم گھر سے نکلتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں گھٹینا چاہتا۔ میں تو جاؤنگا ہی۔ تمہیں کیوں الجھن میں ڈالوں۔ سوچتا ہوں کسی ایسے گاؤں میں جا کر رہوں جہاں پولیس کی ہوا تک نہ ہو۔

دیوی دین نے غور سے سرائٹا کر کہا۔ میرے بارے میں تم کچھ جتنا نہ کرو بھیا! یہاں پولیس سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ کسی پردیسی کو اپنے گھر ٹھہرانا کوئی جرم نہیں ہے ہیں کیا معلوم کہ اس کے پیچھے پولیس ہے۔ یہ پولیس کا کام ہے پولیس جانے۔ میں پولیس کا مخبر نہیں۔ گو پیدا نہیں۔ جاسوس نہیں۔ ہاں کہیں بڑھیلے سے نہ کہہ دینا۔ نہیں اس کے پیٹ میں پانی نہ پچھے گا۔

دونوں ایک لمحہ تک خاموش رہے۔ تب دیوی دین بولا۔ کہو تو میں تمہارے گھر چلا جاؤں۔ کسی کو کالوں کا خبر نہ ہوگی۔ میں ادھر ادھر سے سارا حال پوچھ لوں گا۔ تمہارے باپ سے ملوں گا۔ تمہاری ماں کو سمجھاؤں گا۔ تمہاری گھر والی سے بات چیت کروں گا۔ پھر جیسا مناسب سمجھنا کرنا۔

رمانے اندر خوش ہو کر کہا۔ لیکن کیسے پوچھو گے دادا۔ لوگ کہیں گے تمہیں ان باتوں سے کیا مطلب؟

دیوی دین نے تہقیر مار کر کہا۔ بھیا اس سے سہل تو اور کوئی کام ہی نہیں۔ ایک جینیوگلے میں ڈالا۔ اور برہمن بن گئے پھر چاہے ہاتھ دیکھو چاہے کندھی یا پنجر۔ چاہے شکون بچاؤ۔ سب کچھ کر سکتے ہو۔ تمہاری ماں بھیک لے کر آئے گی اسے دیکھتے ہی کہوں گا۔ ماما تیرے بزرگ پر دیسی میں بڑا کشت ہے۔ اتنا سنتے ہی گھر بھر کے لوگ آجائیں گے۔ تمہاری گھر والی بھی آئے گی۔ اس کا ہاتھ دیکھو نگا۔ میں ان باتوں میں پکا ہوں کچھ کمالاتوں کا دیکھ لینا۔

رمانا اس خیال کے مزے لینے لگا۔ جا لیا اس وقت رتن کے پاس دوڑی جا کے گی۔ دونوں طرح طرح کے سوالات کریں گی۔ کیوں بابا وہ کہاں گئے ہیں۔ اچھی طرح میں نا؟ کب تک آئیں گے؟ کبھی بال بچوں کی بھی سدھ آتی ہے کہ نہیں۔ وہاں کسی حسینہ کے جال میں تو نہیں پھنس گئے۔

دی دین بولا۔ تو صلاح ہے ؟

رمانے اس کا دل ٹٹونے کے ارادہ سے کہا۔ کہاں جاؤ گے دادا ! تکلیف ہوگی
 دی۔ ماگھ کا اٹان بھی تو کروں گا میں تو کہنا ہوں تم بھی چلو۔ کسی دھرم شالہ
 میں ٹھہر جائیں گے۔ میں رنگ ڈھنگ دیکھ کر تم سے کہہ دوں گا۔ اگر دیکھنا کہ کوئی کھٹکا نہیں
 ہے تو گھر چلے جانا۔ کوئی کھٹکا ہو تو میرے ساتھ ہی لوٹ آنا۔
 رمانے ہنس کر کہا۔ کہاں کی بات کرتے ہو دادا۔ اسٹیشن پر اترتے ہی کہیں گرفتار ہو
 جاؤں تو نہیں !

دی دین نے ذمہ داری کی شان سے کہا۔ گرفتار ہو جانا کیا دل لگی ہے۔ مجھ سے
 کہو میں تمہیں پراگ کے تھانے میں لے جا کر کھڑا کروں۔ اگر کوئی ترچھی آنکھوں سے بھی
 دیکھ لے تو مونچھیں مڑا لوں۔ ایسی بات ہے بھلا سینکڑوں خونیوں کو جانتا ہوں جو
 اسی شہر میں رہتے ہیں۔ پولیس کے افسروں کے ساتھ دعوتیں کھاتے ہیں۔ پولیس انہیں
 جانتی ہے پھر کبھی کچھ نہیں کر سکتی۔ روپیہ بڑی چیز ہے۔

رمانے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے سامنے ایک نیا مکہ اکھڑا ہوا۔ جن باتوں
 کو وہ نا تجربہ کاری کے باعث محال سمجھتا تھا انہیں دی دین نے بچوں کا کھیل بنا دیا۔
 اور بڑھاپے کی بازوؤں میں نہیں ہے۔ وہ منہ سے جو کچھ کہتا ہے پورا کر دکھاتا ہے اس نے
 سوچا کہ میں سچ سچ دی دین کے ساتھ گھر چلا جاؤں۔ یہاں کچھ روپے مل جاتے تو سوٹ
 بنوا لیتا۔ پھر شان سے جاتا۔ وہ اس وقت کا تصور کرنے لگا۔ جب وہ نیا سوٹ پہنے
 ہوئے گھر پہنچے گا اسے دیکھتے ہی گوی اور بشمیر دوڑیں گے۔ بیٹا آئے بیٹا آئے دادا
 نکلی آئیں گے۔ اماں کو تو پہلے یقین نہ آئے گا مگر جب دادا جا کر کہیں گے ہاں آگیا۔
 تب وہ انہو بہاتی ہوئی دروازہ کی طرف چلیں گی۔ اسی وقت میں پیسہ کرا مال کے
 پیروں پر گر پڑوں گا۔ جا لیا وہاں نہ آئے گی دروہی ہوئی بیٹی رہے گی۔ رمانے دل میں وہ

باتیں بھی سوچ لیں جو وہ جالیا کو منانے کے لئے کہے گا۔ اس وقت شاید روپے کا ذکر ہی نہ آئے۔ روپوں کا ذکر کرنے میں بھی کو تکلف ہو گا۔ اپنے عزیزوں سے جب کوئی خطا ہو جاتی ہے تو ہم اس کے رد و رد اس کا ذکر کر کے اسے شرمندہ کرنا نہیں چاہتے اور چاہتے ہیں اس بات کا اسے دھیان ہی نہ آئے۔ اس کے ساتھ اس طرح پیش آتے ہیں کہ اسے ہماری طرف سے ذرا بھی شک نہ ہو۔ وہ بھول کر بھی یہ سمجھے کہ ان کے دل میں میری طرف سے کدورت ہے۔

دیہی دین نے پوچھا کیا سوچ رہے ہو چلو گے؟
 رمانے دبی زبان سے کہا۔ تمہارا اتنا اصرار ہے تو چلو نکا۔ مگر پہلے تمہیں میرے گھر جا کر پوری پوری خبر لانی پڑے گی۔ اگر میرا من نہ بھرا تو میں لوٹ آؤں گا۔
 دیہی دین نے کہا منجور!
 زمانے شرم سے آنکھیں نیچی کر کے کہا۔ ایک بات اور ہے مجھے کچھ کیڑوں کی ضرورت پڑے گی۔

دیہی دین بن جائیں گے۔
 رما گھر پہنچ کر تمہارے روپے دے دوں گا۔
 دیہی۔ اور میں تمہاری گورو کچھنا بھی وہی دے دوں گا۔
 رما گورو کچھنا بھی مجھی کو دینی پڑے گی۔ میں نے نہیں چار حرف انگریزی پڑھاوی
 اس سے تمہارا کیا بھلا ہوا تم نے مجھے جو تجربے سکھائے وہ عمر بھر میرے کام آئیں گے
 منہ پر بڑائی کرنا خوشامد ہے لیکن دادا ماں باپ کے بعد جتنی محبت مجھے تم سے ہے اتنی
 اور کسی سے نہیں۔ تم نے ایسے کاڑھے وقت میں میری باہنہ پکڑی۔ جب میں منہ صاف
 میں جارہا تھا۔ ایٹور ہی جانے اب تک میری کیا حالت ہوئی ہوئی۔ کس گھاٹ نکا
 ہوتا۔

دیہی دین نے منحوسے کہا۔ اور جو کہیں تمہارے دادا مجھے گھر میں گھسنے ہی نہ دیں تو رمار دادا تمہاری اتنی خاطر کوید گے کہ تم ادب ہو جاؤ گے۔ رجا لپا تمہاری اتنی خدمت کرے گی کہ جوان ہو جاؤ گے۔

دیہی دین نے ہنس کر کہا۔ تب تو بڑھیا مارے ڈاہ کے حل مر گئی، مانیگی نہیں! نہیں میرا جی تو چاہتا ہے کہ ہم دونوں یہاں سے اپنا ڈیرا ڈٹھائے کر چلتے اور وہیں سر کی تانتے تم لوگوں کے ساتھ جند کافی آرام سے کٹ جاتی۔ لیکن اس چڑیل سے کلکتہ نہ چھوڑا جا سکتا تو بات پکی ہو گئی!

رمار ہاں پکی ہی ہے۔

دیہی۔ دکان کھلے تو چلیں کپڑے لادیں۔ آج ہی سٹلنے کو دیدیں۔

دیہی دین کے چلے جانے کے بعد رما بڑی دیر تک سہرے قصورات میں بیٹھا رہا۔ جن جذبات کو اس نے کبھی اپنے دل میں قدم نہ رکھنے دیا تھا۔ جن کی گہرائی و وسعت اور شدت سے وہ اتنا ہراساں تھا کہ اس میں پھسل کر ڈوب جانے کے خوف سے وہ اپنا دل بیکار کو ادھر بٹھکنے بھی نہ دیتا تھا۔ اسی اتھاہ اور ناپید انکار سمندر میں وہ آج پور لاہ آبادی پن کے ساتھ تیرنے لگا۔ قصور نے اسے کشش عطا کر دی تھی، وہ ترسبی کی سیر و انفریڈ کی ہوا خوری و خسرو باغ کے مزے۔ وہ احباب کی مجلسیں سب یاد آ کر اسے دل کو گد گدانے لگے۔ ریش اسے دیکھتے ہی دوڑ کر گلے پیٹ جاتیں گے۔ احباب آگے کہاں گئے تھے یا خوب سیر کی۔ رتن اس کی خبر پاتے ہی دوڑی آئے گی اور پوچھے تم کہاں گئے تھے۔ بالو جی نے تو سارا کلکتہ چھان مارا۔ پھر جالپا کی غمگین صورت سہا آکھڑی ہوئی۔

بیکار دین نے آکر کہا۔ دس بج گئے چلو بازار ہوتے آئیں۔

رما چلنے کو تیار ہوا۔ لیکن دروازے تک آکر روک گیا۔

دی دین نے پوچھا کیوں رک گئے۔
 رہا۔ تمہیں چلے جاؤ۔ میں جا کر کیا کروں گا۔
 دیہی کیا ڈر رہے ہو۔
 رہا ڈر نہیں رہا ہوں، مگر کیا فائدہ؟
 دیہی میں اکیلا جا کر کیا کروں گا مجھے کیا معلوم تمہیں کو لسا کپڑا پند ہے چل کر اپنی
 پند سے لے لو۔

رہا جو کپڑا چاہے لے لینا مجھے سب پند ہے۔
 دیہی تمہیں ڈر کس بات کا ہے میں کہتا ہوں پولیس تمہاری طرف تلکے گی بھی نہیں
 دیہی دین نے بہت سمجھایا تشفی دی مگر رہا جتنے پر راضی نہ ہوا، وہ سوچتا تھا اگر کسی
 سپاہی نے بکڑ لیا تو دیہی دین کیا کرے گا۔ خانا کہ سپاہی سے اس کی جان بچان بھی ہو تو
 یہ ضروری نہیں کہ وہ سرکاری معاملہ میں بھی دوستی کا حق سمجھائے۔ دیہی دین منت خوشا
 کر کے رہ جائے گا۔ جا کیگی میرے سر کہیں بکڑا جاؤں تو پریاگ کے بدے جیل جانا پڑے
 آخر دیہی دین لاچار ہو کر اکیلا ہی گیا۔

دیہی دین گھنٹے بھر میں ٹوٹا۔ دیکھا رہا چھت پر ٹپل رہا ہے۔ بولا کچھ جانتے ہو
 کچھ گئے بارہ کا عمل ہے آج روٹی نہ بنے گی کیا؟ مگر جانے کی خوشی میں کھانا پینا چھوڑ دو گے
 یہ دیکھو کپڑوں کا نمونہ لایا ہوں۔ ان میں جو لپٹا پند کر دو گے لے لوں۔

رہا نے نمونوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا۔ اتنے ہنگے کپڑے کیوں لائے۔
 دیہی سستے تھے مگر ولایتی تھے۔

رہا۔ تم ولایتی کپڑے نہیں پہنتے۔

دیہی۔ ادھر بیس سال سے تو نہیں پہنتے۔ ادھر کی بات نہیں کہتا۔ کچھ بیسی
 دام لگ جاتا ہے مگر وہ تو دیہی میں رہ جاتا ہے۔

رمانے شرماتے ہوئے کہا تم اپنے اصول کے بڑے پکے ہو دادا۔

دی دین کے چہرے پر عجیب رونق آگئی، اس کی کچی ہوئی آنکھیں چمک اٹھیں
اکڑ کر بولا جس دیں میں رہتے ہیں جس کا ان حل کھاتے پیتے ہیں اس کے لئے اتنا بھی
نہ کریں تو جینے پر لعنت ہے، وہ جوان بیٹے اسی سودیشی کی بھینٹ کر چکا ہوں بیٹا۔
اکیلے ایسے پٹھے تھے کہ تم سے کیا کہوں، دونوں بدیشی کپڑوں کی دکان پر تعینات تھے
مجال تھی کہ کوئی گا ہک دکان پر آجائے، ہاتھ جوڑ کر گھگھیا کر دھمکا کر شرمو اگر سب کو پھیر
لیتے تھے۔ بچا جو نے جا کر کسٹرس سے فریاد کی۔ ٹن کر آگ ہو گیا میں فوجی گورے بھیجے کہ
ابھی جا کر بجار سے پہرے اٹھا دو، گوروں نے دونوں بھائیوں سے کہا یہاں سے چلے
جاؤ، مگر وہ اپنی جگہ سے جو بھر بھی نہ ہلے۔ پھر لگ گئی گورے ان پر گھوڑے چڑھا لئے
تھے مگر دونوں بیوان کی طرح ڈٹے کھڑے تھے، جب اس طرح کچھ بس نہ چلا تو سبوں
نے ڈنڈے سے پٹینا شروع کیا۔ دونوں بہادر ڈنڈے کھاتے تھے پر جگہ سے نہ ہلتے
تھے جب بڑا بھائی گر پڑا تو چھوٹا بھائی اس کی جگہ آ کر کھڑا ہو گیا، اگر دونوں اپنے
ڈنڈے منہ مال لیتے تو ان بیویوں کو مار بھگاتے۔ لیکن ہاتھ اٹھانا تو بڑی بات ہے۔
سرتک نہ اٹھایا۔ آخر چھوٹا بھی وہیں گر پڑا۔ دونوں کو لوگوں نے اٹھا کر ہسپتال بھیجا۔
اسی رات کو دونوں سرد ہار گئے۔ نہارے چرن چھو کر کہتا ہوں بھیجا اس وقت بٹھے ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ میری چھاتی گج بھر کی ہو گئی ہے، یہی امنگ آتی تھی کہ بھگوان نے اوروں
کو پہلے نہ اٹھا لیا ہوتا، اس وقت انہیں بھیج دیتا۔ جب جنا جا چلا ہے تو ایک لاکھ
آدمی ساتھ تھا، بیٹوں کو گنگا کی بھینٹ کر کے میں ریدھا بجا جے میں بیو بچا اور اسی
دکان پر کھڑا ہوا جہاں دونوں بیروں کی لباس گری تھی۔ گا ہک کے نام چڑیے
کا پوت تک نہ دکھائی دیا، آٹھ دن وہاں سے ہلا تک نہیں، نہ بھوک تھی نہ پیاس۔
نویں دن دکانداروں نے کہہ کھائی کہ بلا تھی کپڑے نہ منگا بیٹے گے تب پچار سے ہٹا۔

تب سے بدلی دیا سلائی تنگ گھر میں نہیں لایا۔

رہنے کا اثر ہو کر کہا۔ دادا! تم سچے دیر ہو۔ اور وہ دونوں لڑکے بھی سچے جو دعا

تھے۔

دیسی دین نے اس انداز سے دکھا کر گویا اپنے کو اس تعریف کا مستحق سمجھتا ہے
شہیدوں کی شان سے بولا۔ ان بڑے بڑے آدمیوں کے لئے کچھ نہ ہوگا، یہ تو رونا جانتے
ہیں، بڑے بڑے دیش بھگتوں کو بلائی سراسر اس کے بغیر چین نہیں آتا، ان کے گھر میں جا کر
دیکھو تو ایک بھی دیسی چیخ نہ ملے گی۔ دکھانے کو دس بیس کرتے گاڑھے کے بنوائے
سب کے سب بھوک بھاس میں اندھے ہو رہے ہیں۔ چھوٹے بھی اور بڑے بھی، اس
پر دھوئے یہ ہے کہ ہم دیس کے لئے مرتے ہیں، ارے تم کیا دیس کا ادھار کر دو گے پہلے
اپنا ادھار تو کرو۔ غریبوں کو لوٹ کر بلائی کا گھر بھرنا، تمہارا کام ہے اسی لئے تمہارا
اس دیس میں جنم ہوا ہے۔ ہاں روتے جاؤ بلائی سراسر اینڈ اور بلائی موڑیں دوڑاؤ۔

بلائی مرے اور اچار چکھو، بلائی بوتنوں میں کھاؤ، بلائی دوایاں پیو۔ بلائی بھاسا بلو
بلائی ٹھاٹ بناؤ، مگر دیس کے نام کو روٹے جاؤ، اور اس روٹے سے کچھ ہوگا، روٹے
سے ماں دودھ ملاتی ہے، شیر اپنا شکار نہیں چھوڑتا۔ روٹو اس کے سامنے جس میں
دیا اور دھرم ہو، ایک بار بیاں بڑا بھاری جلسہ ہوا۔ ایک صاحب بہادر کھڑے ہو کر
خوب اچھلے کودے رجب وہ نیچے آئے تو میں نے پوچھا، صاحب تم دیس کا کیا سوچو
دو گے، تم بھی بڑی طلب لو گے، تم بھی بنگلوں میں رہو گے۔ پیاروں کی ہوا کھاؤ گے
انگریزی ٹھاٹ بنائے گھومو گے۔ اس سوراخ سے دیس کا کلیان ہوگا۔ تمہاری
اور تمہارے بھائی بندوں کو بھلے آرام اور ٹھاٹ کئے اور دیس کا تو کوئی بھلا نہ ہوگا
تب بنگلیں جھانکنے لگے۔ تمہیں پتہ چلے گا۔ گریب کسان کو ایک
بوں سوکھا چینا بھی نہیں ملتا۔ اسی کا ہوجوس کر تو سرکار تمہیں ہرے دیتی ہے۔

کبھی ان غریبوں کا بھی دھیان آتا ہے، ابھی تمہارا راج نہیں ہے تب تو تم اتنا اٹھتے ہو جب تمہارا راج ہوگا۔ تب تو تم غریبوں کو پس کر بی جاؤ گے۔

راہنہ مذہب جماعت کی ضحیت نہ سن سکا۔ تم خروہ بھی تو اس جماعت کا ایک فرد تھا۔ بولا۔ یہ بات تو نہیں ہے دادا کہ پڑھے لکھے آدمی کا ذہن کا دھیان نہیں کرتے۔ ان میں سے کتنے ہی کان تھے یا ہیں۔ انہیں اگر یقین ہو کہ ہمارے تکلیف اٹھانے سے کسانوں کا کوئی فائدہ ہوگا۔ اور جو بچت ہوگی وہ کسانوں کے لئے خرچ کی جائے گی تو وہ خوشی سے تھوڑے شاعر سے کام کریں۔ لیکن وہ دیکھتے ہیں کہ بچت دوسرے ہی ہارپ کر جاتے ہیں تو وہ سوچتے ہیں کہ جب دوسروں ہی کو کھانا ہے تو ہم کیوں نہ کھالیں۔

دیوی۔ تو سو راج ملنے پر ہمارا دو دو ہزار پانے والے پھر نہیں رہیں گے دیکھو کی لوٹ نہیں رہے گی۔ پولیس کی لوٹ بند ہو جائے گی۔ راج۔ تب سب کام کثرت رائے سے ہوگا۔ اگر کثرت کہیں گی کہ سرکاری ملازموں کی تنخواہ گھٹا دی جائے تو گھٹ جائیگی۔ کسانوں کے فائدے کے لئے کثرت جتنے روپے مانگے گی مل جائیں گے۔ کبھی کثرت رائے کے ہاتھوں میں رہے گی اور ابھی دس پانچ برس چاہے نہ ہو لیکن اس کے بعد کثرت رائے کسانوں اور مزدوروں ہی کی ہوگی۔

دیوی دین نے مسکرا کر کہا۔ بھیا! تم بھی ان باتوں کو سمجھتے ہو۔ میں نے بھی سوچا تھا جھگوان کرے کچھ دن اور جیوں۔ اچھا اب کھانا پکاؤ سا کچھ کو چکر کپڑے درجی کو دیدیے گے۔

جب اندھیرا ہو گیا تو دیوی دین نے آکر کہا۔ چلو کپڑے سلوا لیں۔
راہنہ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا چہرہ غمگین تھا بولا۔ دادا میں گھر نہ جاؤں گا۔

دیہی دین نے تعجب سے پوچھا، کیوں کیا بات ہوئی۔ رما کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں بولا۔ کوئی سامنے لے کر جاؤں مجھے تو ڈوب مرنا چاہیے تھا۔
 یہ کہتے کہتے یہ کھل کر رو پڑا۔ وہ درد دل جواب تک بے ہوش پڑا ہوا تھا ٹھنڈے پانی کے یہ ٹھینٹے پا کر ہوش میں آ گیا تھا۔ اور اس کی آپہن تیر کی طرح اس کے سارے وجود کو چھیدے ڈالتی تھیں۔ اسی نالہ وزاری کے طرف سے وہ اسے پھیرتا نہ تھا، گویا کوئی غم نصیب ماں اپنے بچہ کو اس لئے جگاتی ڈرتی ہو کہ وہ فوراً کچھ کھانے کو مانگنے لگے گا۔

(۲۷)

کئی دنوں کے بعد کوئی فوجی رما کتب خانہ سے لوٹ رہا تھا کداسہ میں اسے کئی آدمی کسی شطرنج کے نقشہ کا ذکر کرتے ہوئے ملے۔ یہ نقشہ وہاں کے ایک ہندی روزانہ اخبار میں چھپتا تھا اسے حل کرنے کے لئے پچاس روپے انعام کا وعدہ تھا۔ ان آدمیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ نقشہ بہت مشکل ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے کتنے ہی مشاق شطرنج بازوں نے اسے حل کرنے کی بھرپور کوشش کی، مگر کچھ پیش نہ گئی یکایک رما کو یاد آیا کہ کتب خانہ میں ایک اخبار پر بہت سے آدمی جھکے ہوئے تھے اور نقشہ کو نقل کر رہے تھے اب معلوم ہوا یہ بات سچی۔

رما کی ان میں سے کسی سے بھی جانی پہچان نہ تھی، مگر وہ نقشہ دیکھنے کے لئے اتنا بے قرار ہوا کہ اس سے بغیر پوچھے نہ رہا گیا۔ بولا آپ لوگوں میں کسی کے پاس یہ نقشہ ہے

ان جوانوں نے ایک کمرل پوش دہقان کو یہ سوال کرتے سنا تو سمجھے کوئی عطائی ہوگا۔

ایک نے بے اعتنائی سے کہا۔ ہاں ہے تو مگر تم دیکھ کر کیا کرو گے، یہاں آج

اچھے غوطے کھا رہے ہیں۔ ایک صاحب نے جو شطرنج میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اسے حل کرنے کے لئے اپنے پاس سے تئو روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔
دوسرا نوجوان بولار دکھائیوں نہیں دیتے بھائی۔ کون جانے یہی بے چارے حل کر لیں شاید انہیں کی طبیعت لڑ جائے۔

اس تحریک میں ہمدردی نہیں طنز تھا۔ اس میں یہ خیال چھپا ہوا تھا کہ ہمیں دکھانے میں تو کوئی عذر نہیں ہے۔ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لو۔ مگر تم جیسے اوستیجہ ہی نہیں سکتے حل کیا کریں گے۔

ایک دکان میں جا کر انہوں نے رما کو نقشہ دکھایا۔ رما کو فوراً یاد آیا یہ نقشہ کہیں دیکھا ہے۔ سوچنے لگا کہاں؟

ایک نے چٹلی۔ آپ نے تو حل کر لیا ہوگا۔

دوسرا بولار۔ اب کیا ہی چاہتے ہیں۔

تیسرا۔ ذرا دو ایک چال ہمیں بتائیے۔

رمانے برا لکھتے ہو کر کہا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں اسے حل ہی کر لوں گا۔ مگر ایسا نقشہ میں نے ایک بار حل کیا ہے اور بہت ممکن ہے اسے بھی حل کر لوں۔ ذرا کاغذ پینسل دیجئے نقل کر لوں۔

اس برجستہ جواب نے رما کا دماغ قائم کر دیا۔ اسے کاغذ پینسل مل گیا۔ اس نے نقشہ نقل کیا۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور گھر چلا۔

گھر پہنچ کر ملنے اس نقشہ پر دماغ لڑانا شروع کیا۔ لیکن مہروں کی چالیں سوچنے کے عوض وہ ہی سوچ رہا تھا کہ یہ نقشہ دیکھا کہاں۔ شاید وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ یاد آتے ہی اسے نقشہ کا حل بھی سوچ جاتا تھا۔ دیگر جانداروں کی طرح دماغ بھی بہانہ تلاش کیا کرتا ہے۔ رما آدھی رات تک نقشہ کھوئے بیٹھا رہا۔ شطرنج کی جو بڑی بڑی موہ کے کی